آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

خلافت یا جانشینی رسول کو اس کے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیر المومنینؑ سے جدا نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ ایسی شے نہیں جو چھینی جا سکے یا زبردستی اس پر قبضۂ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقوں میں بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات میں مقفل کر کے رکھا جائے اور اس کی حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے جائیں لیکن کسی متبحر عالم کا علم، جنگ آزما شجاع کی شجاعت، دریا دل سخی کی سخاوت کبھی اس کی محتاج نہیں ہوئی کہ اس کو پردوں میں چھپا کر اور صندوقوں میں مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اس کے متعلق چور اور ڈاکوؤں کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقتاً خلافت کے معنی یہ ہیں کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص ان کی جگہ کو پُر کر دے، بایں معنی کہ اخلاق و کمالات میں اس طرح رسولؐ کی تصویر ہو کہ گویا دنیا کو معلوم نہ ہو رسول دنیا سے اُٹھ گئے ہیں، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلّغ شریعت موجود نہیں ہے، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اس کا مؤسس عالم میں نہیں رہا، قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اس کا حامل رخصت ہو گیا، سنت کو معلوم نہ ہو کہ اس کا پہونچانے والا باقی نہیں رہا، مختصر یہ کہ فریضۂ اصلاح و نظام عالم میں جن چیزوں کو دخل ہے اس کی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو نبی کا اس حد تک سہیم و شریک ہو کہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت میں کسی طرح نقص و فتور نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی و شخصی کمالات کے اعتبار سے دونوں ہستیوں میں اتنا تفاوت ضرور ہی ہوگا جتنا خود منصب نبوت و خلافت میں تفرقہ موجود ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوئے خلافت کسی مقرر کیے ہوئے وظیفہ یا عطا کئے ہوئے منصب کا نام نہیں ہے بلکہ ان شخصی اور ذاتی کمالات کا نام ہے جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ میں ودیعت کر دیے گئے ہیں اور جو مبدأ خلق و تکوین میں اس کی ذات سے مخصوص ہو گئے ہیں، وہ نہ کسی کے علاحدہ کرنے سے علاحدہ ہو سکتے ہیں، نہ کسی کے چھیننے سے چھن سکتے ہیں۔

اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیر المومنینؑ کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ میں رسولؐ کے خلیفہ و جانشین نظر آتے ہیں کس کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس خلافت کو علی ابن ابی طالبؑ سے علٰحدہ کر سکے۔

یقیناً سخت غلطی ہے اگر میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی اس خلافت کے متعلق کسی تاریخ یا دن کی تعیین کروں، نوروز ہو، یا غدیر، یا بیعت العشیرہ کی محفل ہو یا انما ولیکم اللہ کا موقع ہو، ان میں سے کوئی بھی علیؑ کی جانشینی کی تاریخ نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات واعلان ہیں کہ جو

عام افراد کی اطلاع کے لئے شائع کئے گئے ہیں۔

چونکہ خلافت باطنی رمز اور مخفی حقیقت ہے جس کی تشخیص معمولی افراد بشر کا کام نہیں ہے بلکہ وہی ہستی کہ جو نوعِ بشر کے آب گل کی خلق کرنے والی تھی اس رمز و حقیقت پر مطلع ہوسکتی ہے اس لئے ایسے شخص کی تعیین کرنا بھی اسی علام الغیوب ہستی کا کام ہے اور اسی لئے اس نے رسولؐ کی معرفت عالم بشری تک اپنے نتیجۂ انتخاب کی اطلاع پہونچائی اور متعدد طریقوں سے عنوان بدل بدل کر اس کی تبلیغ کرائی، ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ، انما ولیکم اللہ ورسولہ، ھذا وصیّی وخلیفتی۔ علی منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ'' وغیرہ وغیرہ آیات واخبار کے ذریعہ سے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی خلافت کو امت اسلامیہ تک پہونچایا گیا ہے۔

بیشک جس طرح رسولؐ اپنی زندگی میں مسلمانوں کے روحانی بادشاہ ہیں اور ان کا تمام نظم ونسق، سیاہ سفید حضرت کے حکم کا تابع ہے (النبی اولیٰ باالمومنین من انفسھم) اسی طرح ان کا جانشین وخلیفہ کہ جو ان کے مراتب کمال کا حامل اور فرائض دینیہ کا حافظ ہے خدا کی جانب سے اس بات کا مستحق ہے کہ امت کی زمام حکومت اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنی مرضی کے مطابق ان کے انتظامی اور تمدنی فلاح ونجاح کا سامان بہم پہونچائے، یہ وہ ظاہری آثار ہیں جو خلافت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ وامام کے لئے ثابت ہوتے ہیں اور چونکہ ان کا تعلق ظاہری شان وشوکت اور حکومت وسلطنت سے ہے اس لئے مختلف افراد کی طمع وحرص اور ظلم وتعدّی کا مرکز بن سکتے ہیں اور ظاہری نظریں اسی کو واقعی خلافت اور جانشینی خیال کرتے ہوئے یہ کہنا جائز سمجھتی ہیں کہ امیر المومنینؑ سے خلافت علیحدہ کرلی گئی یا غیر مستحق افراد نے اس پر قبضہ کرلیا اور ہمارے اس مضمون میں بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اس سے انھیں معنیٰ کو مراد سمجھنا چاہئے۔

رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوئے اور ان میں حقائق اور واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اس کا تذکرہ مقصود نہیں، تاریخ ان تمام واقعات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹ کر کتنے بھیس بدلے اور کیسی مختلف صورتیں اختیار کیں؟ وہ تمام ان سیاسی داؤں پیچوں کا نام ہوگیا جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کی جماعت کو بھیڑوں کی طرح اپنے مقصد کے موافق ہنکایا جاسکے۔

ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہے ناانصافی، خودغرضی، اپنوں کی جانبداری، حق داروں کے حقوق سے چشم پوشی، ستم رسیدہ مظلوموں کے فریاد وشیون سے چشم پوشی انتہا تک پہنچ چکی تھی، مسلمانوں کے صبر وضبط کا پیمانہ چھلکا اور اس نے خلیفۂ وقت کے سفینۂ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔

یہ اقدام کتنی بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ نامناسب تھا، امیر المومنینؑ کا تیس برس تک خونِ جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا اسی لئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجتمع شیرازہ کے منتشر ہونے کا باعث اور مسلمانوں کی خونریزی کا سبب ہے ورنہ وہی تلوار کہ جس نے جوانی میں

مرحب وابن عبدود کا خون بہایا اور بدر واحد وخیبر وخندق کو فتح کیا اور بڑھاپے میں جمل وصفین ونہروان کے میدانوں میں اپنے جوہر دکھا کر دشمنوں کے دلوں پر سکہ قائم کیا وہی ادھیڑپن میں بھی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے پاس موجود تھی، نہ اس کی باڑھ کند ہوئی اور نہ امیرالمومنینؑ کے بازوؤں کی سکت میں کمی ہوئی تھی پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم وایذا بلکہ توہین وتذلیل کا برداشت کرنا اسی لئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے۔ اسی وجہ سے آخری دور میں جن افراد نے خلیفہ وقت کے قتل کا اقدام کیا ان کو بھی امیرالمومنینؑ کی طرف سے کوئی مدد نہیں دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان میں پڑ کر فتنہ کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ میں بھرے ہوئے حملہ آوروں کو سمجھا بجھا کر ہٹا دیا لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتے گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرماں روائے خلافت کے خون سے رنگی ہوئی نظر آئی، اب ذرا مسلمانوں کی آنکھیں کھل چکی تھیں، تاریکی سے دم اکتا گیا تھا روشنی کی تلاش تھی، اس کے لئے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایک مرتبہ فضا میں گونج کر فنا ہوجائے، یہ تو کہو کہ اب تک اغراض نفسانیہ، تعصب و عداوت، تخویف وتہدید اور جبر وظلم لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر ان کے ضمیر کے خلاف ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر ان کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہوجاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گنہگار تھے، یقینا ان کی آنکھوں کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہر وقت

پھرتا اور کانوں میں وہ پرزور آواز گونجتی ہوگی، اب تو موانع برطرف ہوچکے تھے، سچ مچ حق کی تلاش تھی اور خلافت کو اس کے حقیقی مرکز تک پہونچانا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے مطابق کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اسی مرکز پر آئے جہاں پہلے آنا چاہئے تھا علی ابن ابی طالبؑ کے دروازہ پر مہاجرین وانصار کا ہجوم ہوگیا اور ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائیں اور حفظ شریعت اور ہدایت خلق کا فریضہ جو اب تک پردے میں رہ کر ادا کررہے تھے اب مسند خلافت پر متمکن ہوکر ظاہری صورت میں ادا فرمائیں، تاریخی واقعات میں جو شخص جوڑ پیوند لگانا چاہتا ہو اور غیر مرتب متفرق باتوں کو ایک سلک میں مسلسل دیکھنے کا عادی ہو اس کو اس موقع پر حیرت واستعجاب کی انتہا نہیں رہتی کہ امیرالمومنینؑ ایک وقت میں خود سے خلافت کے طالب تھے۔ ایک ایک کے دروازہ پر جاجا کر ہمدردی ونصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتوں اور سختیوں کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیرالمومنینؑ ہیں کہ مہاجرین وانصار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، الحاح واصرار کی انتہا نہیں لیکن علی ابن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہیں کرتے اور انکار ہی کررہے ہیں بات یہ ہے کہ وہ وقت جب امیرالمومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب تھے وہ تھا کہ جب تازہ تازہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کی روحانی تعلیمات کا اثر مسلمانوں کے دلوں سے دور نہ ہوا تھا، علی ابن ابی طالبؑ

کی سیرت اوران کا طرزعمل بھی بالکل وہی تھی کہ جوان کے استاد ومربی رسالت مآب کا اسوہ حسنہ تھا، یقینا اگر اس وقت مسند خلافت پر علی ابن ابی طالبؑ متمکن ہوجاتے تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب دنیا سے اٹھے؟ وہی انصاف و عدالت وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت، وہی رحم وکرم اور رواداری، وہی قواعد وقوانین اسلام کی پابندی ومحافظت، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے عادی تھے ہی، یقینا عالم گہوارۂ امن و امان ہوتا اور حقیقی اسلام منتہائے ترقی کے ساتھ عالم میں منتشر ہوتا مگر اس وقت علیؑ کی شنوائی نہ ہوئی، تاہم خلافت کے دوران تک نظام حکومت میں جتنی کمزوریاں بھی ہوں لیکن اموال مسلمین اور حقوق عامۂ ناس میں کوئی کھلی ہوئی فردگذاشت نہ ہوتی تھی اور ظاہری صورت میں ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بھی امیرالمومنینؑ نے پوری قوت کے ساتھ اپنے حق خلافت کا اعلان کیا اور ادلّہ و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کردیا لیکن جب کہ لوگوں نے خلافت کو امیرالمومنینؑ کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی عادتیں خراب ہوچکی تھیں، مسلمانوں کے حقوق میں عدم مساوات، جانبداری اور بے جارعایت اموال مسلمین میں پوری فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات واخوت اور ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم'' کی حقیقت بالکل لوگوں کو فراموش ہوچکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تمام مناسب اور بڑے عہدے بنی امیہ کے قبضہ میں تھے، اموال

مسلمین کے وہ بلاشرکت غیرے مالک بنادیئے گئے تھے اور جولوگ زیادہ حاضر دربار رہتے تھے اور بارگاہ معلیٰ میں تقرب حاصل کرلیتے تھے ان کو تمام مسلمانوں سے زیادہ بیت المال کے خزانہ کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلاد بنی امیہ کے زیرنگیں کئے جاچکے تھے، ان تمام واقعات نے حقیقتاً خلافت کو اس قابل نہیں رکھا تھا کہ امیرالمومنینؑ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیں، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر سمجھے ہوئے تھے جو اسلامی مزاج میں رونما ہوگئے تھے، وہ خوب جانتے تھے کہ اگر میں اس وقت خلافت کو منظور کروں تو بھی کامیابی کے ساتھ شریعت الٰہیہ اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اسکو نہیں چلاسکتا، اسی وجہ سے مہاجرین وانصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ ہی فرماتے رہے کہ ''اکون وزیرا خیرلکم من ان اکون امیرا'' تمہارے لئے میں امیر ہوں، اس سے بہتر یہ ہے کہ امیر کوئی اور ہو، میں اس کا وزیر ہوں اس لئے کہ وزیر کا فرض مشورہ دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر متمکن ہے۔ آخر میں امیرالمومنینؑ کو منظور کرنا پڑا اور اس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ مہاجرین اور انصار کے منتہائی اصرار اور اس اعلان کے بعد کہ ہم آپ کی امتثال اور اطاعت پر آمادہ ہیں ان کی خواہش کو رد کرنا گویا ان کی طرف سے اتمام حجت کا باعث تھا اور ان ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے جو ایک حقیقی رہنمائے خلق کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہیں اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑتا۔